رسائل و مسائل

صحابۂ کرام کے متعلق عقیدۂ اہلِ سنّت

سوال :- میں آپ کی کتاب 'خلافت و ملوکیت' کا بغور مطالعہ کرتا رہا ہوں۔ آپ کی چند باتیں اہلِ سنت والجماعت کے اجماعی عقائد کے بالکل خلاف نظر آ رہی ہیں۔ صحابۂ کرام میں سے کسی کا بھی عیب بیان کرنا اہل سنت والجماعت کے مسلک کے خلاف ہے۔ جو ایسا کرے گا وہ اہلِ سنت والجماعت سے خارج ہو جائے گا۔ آپ کی عبارتیں جو اس عقیدے کے خلاف ہیں وہ ذیل میں نقل کرتا ہوں۔

" ایک بزرگ نے اپنے ذاتی مفاد کے لیے دوسرے بزرگ کے ذاتی مفاد سے اپیل کر کے اس تجویز کو جنم دیا۔" (خلافت و ملوکیت صفحہ ۱۵۰)

" اب خلافت علیٰ منہاج النبوت کے بحال ہونے کی آخری صورت یہ باقی رہ گئی تھی کہ حضرت معاویہ یا تو اپنے بعد اس منصب پر کسی شخص کے تقرر کا معاملہ مسلمانوں کے باہمی مشورے پر چھوڑ دیتے یا اگر قطع نزاع کے لیے اپنی زندگی ہی میں جانشینی کا معاملہ طے کر جانا ضروری سمجھتے تو مسلمانوں کے اہلِ علم و اہل خیر کو جمع کر کے انہیں آزادی کے ساتھ فیصلہ کرنے دیتے کہ ولی عہدی کے لیے امّت میں موزوں تر آدمی کون ہے۔ لیکن اپنے بیٹے یزید کی ولی عہدی کے لیے خوف و طمع کے ذرائع سے بیعت لے کر انہوں نے اس امکان کا بھی خاتمہ کر دیا۔" خلافت و ملوکیت صفحہ ۱۴۸)

" حضرت عثمانؓ کی پالیسی کا یہ پہلو بلاشبہ غلط تھا۔" (خلافت و ملوکیت، صفحہ ۱۱۶)

براہ کرم آپ بتائیں کہ صحابۂ کرام کے بارے میں آپ اہلِ سنت والجماعت کے اجماعی عقیدے کو غلط سمجھتے ہیں یا صحیح ؟

جواب۔ قبل اس کے کہ میں آپ کے سوالات کا جواب دوں براہِ کرم آپ مجھے یہ بتائیں کہ:

۱۔ آیا آپ کا عقیدہ یہ ہے کہ کوئی صحابی غلطی نہیں کرسکتا؟

۲۔ یا آپ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ صحابی سے غلطی ہو تو سکتی ہے مگر کسی صحابی سے کبھی غلطی کا صدور ہوا نہیں ہے؟

۳۔ یا آپ اس بات کے قائل ہیں کہ افرادِ صحابہ سے غلطی کا صدور ممکن بھی تھا۔ اور صدور ہوا بھی، مگر اس کو بیان کرنا جائز نہیں ہے، اور نہ صحابی کی کسی غلطی کو غلطی کہنا جائز ہے؟

ان میں سے جس بات کے بھی آپ قائل ہوں اس کی تصریح فرما دیں تاکہ مجھے یہ معلوم ہوسکے کہ آپ خود بھی اہل السنت والجماعت میں سے ہیں یا نہیں۔ اگر آپ پہلی بات کے قائل ہیں تو وہ اہلِ سنت میں سے کسی کا عقیدہ بھی نہیں ہے۔ اور اگر دوسری بات کے قائل ہیں تو اس کا غلط ہونا ایسے ناقابلِ انکار واقعات سے ثابت ہے جو قرآن پاک اور بکثرت احادیثِ صحیحہ اور اکابر اہلِ سنت کی نقل کردہ کثیر روایات میں بیان ہوئے ہیں۔ اور اگر تیسری بات کے قائل ہیں تو وہ بھی قطعی بے بنیاد ہے۔ کیونکہ متعدد مقامات پر خود قرآنِ مجید میں اللہ تعالیٰ نے صحابۂ کرام کی بعض غلطیوں کا ذکر فرمایا ہے، اور محدثین نے ان کے مفصل واقعات نقل کیے ہیں، اور مفسرین میں سے شاید کسی کا بھی آپ نام نہیں لے سکتے جس نے اپنی تفسیر میں اُن واقعات کو بیان نہ کیا ہو۔ رہا اہلِ سنت کا عقیدہ جس کا آپ ذکر فرما رہے ہیں تو وہ صرف یہ ہے کہ صحابہ پر طعن کرنا اور ان کی مذمت کرنا جائز نہیں ہے، اور اس فعل کا ارتکاب خدا کے فضل سے میں نے کبھی اپنی کسی تحریر میں نہیں کیا ہے۔ مگر تاریخی واقعات کو کسی علمی بحث میں بیان کرنا علمائے اہلِ سنت کے نزدیک کبھی ناجائز نہیں رہا ہے، نہ علمائے اہلِ سنت نے کبھی اس سے اجتناب کیا ہے، اور نہ کسی عالم نے کبھی یہ کہا ہے کہ صحابی سے اگر غلطی ہو تو اسے صحیح قرار دو، یا اس کو غلطی نہ کہو۔ آپ خود دیکھ سکتے ہیں کہ میں نے جو واقعات بیان کیے ہیں وہ اکابر اہلِ سنت ہی کی کتابوں سے ماخوذ ہیں۔ اُن کا ان واقعات کو اپنی کتابوں میں نقل کرنا دو حال سے خالی نہیں ہوسکتا۔ اگر انہوں نے صحیح سمجھتے ہوئے نقل کیا ہے تو آپ کی رائے کے مطابق وہ سب بھی اہلِ سنت سے خارج ہونے چاہییں، اور اگر غلط یا مشتبہ سمجھتے ہوتے انہیں پھیلایا اور آئندہ نسلوں تک پہنچایا ہے تو پھر آپ کو کہنا چاہیے کہ وہ کَفیٰ بِالْمَرْءِ کَذِبًا اَنْ یُّحَدِّثَ بِکُلِّ مَا سَمِعَ کے مصداق تھے۔

قربانی کی کھال کا مصرف

سوال: "میں قربانی کی کھال کے بارے میں اسلامی احکام معلوم کرنا چاہتا ہوں۔ بعض علماء کرام یہ کہتے ہیں کہ قربانی کی کھال کسی محتاج یا مسکین کو دینی چاہیے یا کسی ایسی دینی انجمن یا ادارے کے سپرد کرنی چاہیے جو اسے غریب طلبہ و یتامیٰ پر خرچ کرے۔ ان علماء کے نزدیک کھال جب بک جائے تو وہ زکوٰۃ کے حکم میں داخل ہو جاتی ہے اور اُسے اُنہی شرائط کے ساتھ انہی مدّات میں صرف کیا جا سکتا ہے جو زکوٰۃ کے لیے مقرر ہیں۔ ہر طرح کے فلاح و بہبود اور رفاہی کاموں میں اس رقم کو خرچ کرنا جائز نہیں ہے۔

یہ اعتراض بھی کیا جاتا ہے کہ جو لوگ قربانی کرنے کے بعد بلا امتیاز ہر فرد کو اٹھا کر اپنی قربانی کی کھال دے دیتے ہیں اور یہ نہیں دیکھتے اور سوچتے کہ اسے کس مصرف میں استعمال کیا جائے گا، ان کی قربانی نہیں ہوتی۔ میں تو یہ سمجھا تھا کہ از روئے حدیث قربانی کرنے والے پر صرف یہ پابندی ہے کہ وہ خود کھال نہ بیچ کھائے بلکہ اسے کسی خیراتی اور خدمتِ خلق کے کام میں کسی دوسرے کے سپرد کر دے۔ اس کے بعد قربانی کرنے والے کی ذمہ داری ختم ہے۔ اور دوسرا شخص بھی اگر کسی کارِ خیر میں اسے صرف کر دے تو وہ بھی بری الذمہ ہے۔ تاہم اس مسئلے کی وضاحت کر کے اگر مطمئن کر دیا جائے تو بہتر ہے تاکہ کسی کے ذہن میں کوئی اشکال پیدا نہ ہونے پائے۔"

جواب: (از ملک غلام علی صاحب)، جو قربانی حج کے موقع پر حاجی کرتے ہیں اور جو قربانی عید الاضحیٰ کے موقع پر دنیا بھر کے مسلمان کرتے ہیں، دونوں کی کھال اور گوشت کے احکام شریعت میں یکساں ہیں۔ قربانی کی کھال کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

استمتعوا بجلودھا ولا تبیعوھا۔ ان کی کھالوں سے فائدہ اٹھاؤ اور انہیں فروخت نہ کرو۔

حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ آنحضورؐ نے مجھے حکم دیا:

لا اُعطی فی جزارتھا شیئاً منھا ۔۔۔ مَیں قربانی کی اُجرت میں قصائی کو گوشت اور کھال میں سے کچھ نہ دوں۔

ان احکام کا مدعا جو واضح طور پر معلوم ہو رہا ہے وہ یہ ہے کہ قربانی کرنے والا قربانی کی کھال یا گوشت کو بیچ کر اس کی قیمت سے خود فائدہ نہ اٹھائے اور نہ کھال اور گوشت کو قصائی کی اُجرت میں دے۔ کھال کو کھال کی شکل میں رکھ کر اور اسے دباغت دے کر قربانی کرنے والا اُسے خود اپنے استعمال میں لا سکتا ہے، چاہے تو کسی دوست کو ہدیہ دے سکتا ہے، اور چاہے تو اسے صدقہ کر سکتا ہے۔ دوسرے الفاظ میں ان ارشادات کا مطلب یہ ہے کہ اگر قربانی کرنے والا کھال کو بیچ کر اس کی قیمت سے ذاتی فائدہ نہ اُٹھائے تو اس کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ چاہے تو کھال کو بجنسہٖ اپنے استعمال میں لائے، یا کسی فقیر یا مسکین کے سپرد کر دے یا کسی غنی کو عطیہ یا بلا قیمت تحفہ کی حیثیت سے دے دے۔ تینوں صورتیں شرعاً جائز ہیں۔ اس میں ائمہ و فقہاء کے مابین کوئی اختلاف نہیں ہے۔

یہاں البتہ یہ مزید سوال پیدا ہوتا ہے کہ قربانی دینے والا اگر کھال بیچ دے تو اس کی قیمت کا مصرف کیا ہوگا، نیز قربانی کرنے والا اگر اپنی کھال کسی مستطیع فرد کو بطور ہدیہ دے اور وہ مستطیع اسے فروخت کرے تو وہ اسے کہاں خرچ کرے گا؟ یہ بات تو واضح ہے کہ دونوں صورتوں میں فروخت کنندہ کے لیے یہ جائز نہ ہوگا کہ وہ قیمت فروخت کو اپنے مصرف میں لائے بلکہ اس پر لازم ہوگا کہ وہ اس رقم کو بطور صدقہ دے دے۔ لیکن یہ بات قابلِ غور ہے کہ اس صدقے پر صدقۂ واجبہ کا اطلاق ہوگا یا صدقۂ نافلہ کا۔ اگر اسے زکوٰۃ کی طرح صدقۂ واجبہ شمار کیا جائے تو پھر اس کا مصرف وہی ہوگا جو زکوٰۃ کا ہے اور صدقۂ نافلہ قرار دیئے جانے کی صورت میں اسے ہر کارِ خیر میں صرف کرنا درست ہوگا اور اس سے فقراء کے علاوہ اغنیاء بھی بعض صورتوں میں مستفید ہو سکیں گے۔

متاخرین فقہائے حنفیہ کے قول کے مطابق چرمہائے قربانی کی قیمت فروخت کا مصرف وہی ہے جو زکوٰۃ کا مصرف ہے۔ مَیں نے اپنی حد تک اس مسئلہ میں بہت غور و تامل کیا ہے کہ اس احتیاط کا ماخذ کتاب و سنت میں کیا ہو سکتا ہے اور حنفی فقہ کی کتابوں میں تلاش کرنے کی کوشش بھی کی ہے کہ شاید اس جزئیے کے حق میں کوئی استدلال مذکور ہو۔ مگر مجھے اب تک ایسی کوئی مضبوط دلیل نہیں مل سکی۔ قربانی اگرچہ حضرات

احناف کی اصطلاح کے مطابق واجب ہے لیکن قربانی کے گوشت اور کھال سے متعلق جو احکام شارع نے دیئے ہیں، ان کی کوئی مماثلت زکوٰۃ و عشر کے احکام سے نہیں ہے۔ گوشت اور کھال سے قربانی کرنے والا خود بھی مستفید ہو سکتا ہے لیکن زکوٰۃ کے مال سے ایسا استفادہ ناجائز ہے۔ لا تبیعوھا میں ثمن جلود سے عدمِ انتفاع کا جو حکم مستنبط ہوتا ہے، اس کا مقصود اس طرح پورا ہو جاتا ہے کہ قیمت کو کسی بھی نیکی یا بھلائی کے کام یا خیراتی کام میں خرچ کر دیا جائے اور بیچنے والا اس سے ذاتی فائدہ حاصل نہ کرے۔

اگر چرمِ قربانی کی قیمت کو زکوٰۃ کے مانند قرار دیا جائے تو اس قیمت کی تحصیل اور مداتِ زکوٰۃ میں اس کی تقسیم کو بھی اسلامی حکومت کی ذمہ داری ٹھہرانا پڑے گا اور یہ ایک ایسی جدت اور بدعت ہو گی جس کی تائید میں کوئی قولی یا عملی مثال سنتِ نبوی یا خلافتِ راشدہ میں نہیں مل سکے گی۔ یہاں یہ امر بھی قابلِ ذکر ہے کہ فقہائے حنفیہ نے کھال بیچ کر اس سے استفادہ کی ممانعت کو علی الاطلاق نہیں مانا، بلکہ اس میں تخصیص کر کے بعض صورتوں میں جواز پیدا کیا ہے جو بالکل صحیح قیاس و استحسان پر مبنی ہے۔ چنانچہ مبسوط للسرخسی جلد ۱۲ میں فرمایا ہے: لا بأس بان یشتری بجلد الاضحیۃ متاعاً للبیت (کوئی مضائقہ نہیں کہ قربانی کرنے والا قربانی کی کھال سے گھر کا سامان خریدے)۔ پھر اس کی مزید تفصیل یہ بیان کی ہے کہ سامان ایسا ہونا چاہیے جو پائدار اور باقی رہنے والا ہو، مثلاً چھاننی یا کوئی تھیلا وغیرہ ہو، اور جو شے فوری طور پر استعمال میں آکر ختم ہو جانے والی ہو، مثلاً نمک، سرکہ وغیرہ، ایسی چیز کھال کے عوض میں نہ خریدی جائے۔ کھال بیچ کر اگر نقد قیمت لی جائے تو اس کے متعلق بھی امام سرخسیؒ صرف یہ فرماتے ہیں فتصدق بثمنہ (اس کی قیمت صدقہ میں دے دی جائے)۔ اس کا مطلب یہی ہے کہ انہوں نے صدقے کو عام اور وسیع معنوں میں رکھا ہے جس کا اطلاق صدقۂ واجبہ اور صدقۂ غیر واجبہ دونوں پر ہو سکتا ہے اور جس کا مصارفِ زکوٰۃ میں صرف کیا جانا ان کے نزدیک لازم نہیں ہے۔ بس اتنا کافی ہے کہ اس قیمت کو اللہ کی راہ میں اور اس کے بندوں کی فلاح و بہبود میں خرچ کر دیا جائے۔